مفتی محمود اختر قادری

عہد رسالت میں اجتہاد کا وجود

کلامِ الٰہی اور احادیث نبویہ کی روشنی میں ائمہ مجتہدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا قیاس و اجتہاد فرمانا ایک اجماعی مسئلہ ہے، لیکن اسے باطل قرار دینا اور بدعت سیئہ و گمراہی ٹھہرانا ایسے لوگوں کا شیوہ ہے جو ابن تیمیہ اور ابن قیم جیسے لوگوں کے اقوال پر ایسا عقیدہ رکھتے ہیں اور ایسی اندھی تقلید کرتے ہیں گویا ان کے نزدیک ان کے اقوال نصوص قطعیہ کا درجہ رکھتے ہیں، بلکہ بسا اوقات ان کے اقوال کے مقابل نص قطعی کو بھی رد کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ یہ لوگ سیدھے سادھے، کم علم، صحیح العقیدہ مسلمانوں کو بہکانے اور ورغلانے کے لیے اس کذب و افترا سے ذرّہ برابر بھی نہیں شرماتے کہ ائمہ مجتہدین کا اجتہاد، بدعت و بے اصل ہے، قرآن وسنت سے نہ اس کی اجازت ہے اور نہ ہی عہد رسالت و عہد صحابہ میں اس کی کوئی نظیر ملتی ہے۔ غیر مقلدین کے اس دعوے کی قلعی کھولنے کے لیے نیز صحیح العقیدہ مسلمانوں کے اطمینان قلبی اور عقیدہ کے استحکام وثبات کی خاطر یہاں، ہم دلائل و براہین سے ثابت کریں گے کہ عہد رسالت میں بھی بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اجتہاد کی اجازت تھی اور انھوں نے بوقت ضرورت اجتہاد و قیاس فرمایا، جس پر حضور اقدس ﷺ نے سرزنش فرمانے یا ناراضگی ظاہر کرنے کی بجائے تائید وتصویب فرمائی اور خطا واقع ہونے کی صورت میں اس کی نشان دہی فرمائی اور صحابہ کرام کو اجتہاد سے قطعاً منع نہ فرمایا۔

عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اجتہاد و قیاس کی ابتداء عہد رسالت کے بعد ہوئی ہے، عہد رسالت میں نہ اجتہاد ہوتا تھا نہ ہی اجتہاد کی ضرورت تھی، کیوں کہ وہ نزولِ وحی کا دور تھا اور صحابہ کرام تمام تر احکام و مسائل کو کتاب اللہ اور احادیث کی تصریحات سے جان لیتے تھے تو

انھیں قیاس و اجتہاد کی ضرورت ہی کیا تھی۔

یہ خیال اس حد تک تو صحیح ہے کہ اجتہاد کی ضرورت عہد رسالت کے بعد ہوئی اور اہلِ اجتہاد نے اس منصب کو باقاعدہ طور پر نبھایا بھی، یہاں تک کہ مستقبل میں پیدا ہونے والے مسائل میں انھوں نے مسلمانوں کو مستقل اجتہاد سے مستغنی بھی کر دیا، لیکن یہ سمجھنا کہ عہد رسالت میں اجتہاد کی کسی اعتبار سے نہ ضرورت تھی نہ ہی اجتہاد ہوا صرف ایک تخمینی خیال ہے واقعہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

ہاں! اس موقع پر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ اجتہاد و قیاس کے لیے کتاب وسنّت کی بھرپور معرفت ایک بنیادی شرط ہے ''مسلم الثبوت'' میں ہے:

شرائط الاجتهاد معرفة الكتاب متنا و معنى و حكما و معرفة السنة معنى و سندا۔ الخ (فواتح الرحموت، ص:۶۰۳)

یعنی کتاب اللہ کی عبارت ومعنی اور حکم کا جاننا نیز احادیث رسول کے معنی وسند کا جاننا اجتہاد کے شرائط میں سے ہے، تاکہ مجتہد کا اجتہاد کسی حکم منصوص کے خلاف نہ ہو، لہٰذا زمانہ رسالت میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہونی چاہیے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا بنفس نفیس تشریف فرما ہونا بمنزلہ نص ہے کہ تمام احکام شرع کا حل آپ سے حاصل ہوسکتا تھا تو اگر آپ کے ہوتے ہوئے قیاس یا اجتہاد کی اجازت دی جائے تو ایک بڑا فساد لازم آئے گا کہ معرفت احکام کے قریب تر اور قوی ترین ذریعہ کو چھوڑ کر کسی ایسے طریقہ کا اختیار دیا جارہا ہے جس میں احتمال خطا بھی موجود ہے۔

اس سوال پر معمولی غور کے بعد بھی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ عہد رسالت میں اجتہاد کی اجازت دینے میں اس خرابی کا احتمال تو اس وقت ہوتا جب کہ احتمال خطا باقی رہ جاتا اور یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ وحی کا سلسلہ جاری ہو اور خطائے اجتہاد پر تنبیہ نہ کی جائے۔

علاوہ ازیں وحی معرفت احکام کے لیے قوی ترین ذریعہ اسی وقت ہے جب کہ معرفت وحی کا موقع ہو اور حکم دریافت کرنے والے صحابی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوں، لیکن اگر صحابی بارگاہ رسالت سے اتنی بعید مسافت پر ہوں کہ مسئلہ دریافت کرنے کا انھیں موقع ہی نہ ملے تو ان کے لیے قوی ترین اور قریب تر وسیلہ معرفت قیاس و اجتہاد ہی ہے اور احتمالی خطا بھی مضر نہیں۔

ایک عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے کہ چاند کی فضیلت دوسرے تمام ستاروں پر (سنن ابوداود وترمذی)

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ عہد رسالت کے اجتہادات میں احتمال فساد سے تحفظ کے ساتھ ہی ساتھ صحابہ کرام کی اجتہادی تربیت کا عظیم فائدہ بھی مضمر ہے جس کے نتیجے میں فقہ کا مستقبل نہایت تابناک ہوگیا اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے صاحب لیاقت صحابہ کرام کو مخصوص حالات میں اجتہاد کی اجازت دے رکھی تھی۔ چناں چہ حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو صراحتاً اجازت تفویض فرمائی۔

(اصول السرخی، ج:۲،ص۱۳۰)

اجتہاد صحابہ

ہماری معلومات کے مطابق صحابہ کرام کی اجتہادی تربیت تین حصوں میں تقسیم کردی گئی تھی (الف) مشاورت (ب) اجتہاد بوقت ضرورت (ج) نصوص احکام کی تاویل۔

الف۔ مشاورت

رسول اللہ ﷺ اصحاب رائے صحابہ سے بعض ایسے امور میں مشورہ فرماتے تھے جن سے حکم شرع بھی متعلق ہوتا تھا۔ قرآن حکیم میں اس مشاورت کا حکم اس طرح دیا گیا، **وشاور هم فی الامر** قرآن حکیم کا یہ حکم اس بات کی دلیل ہے کہ بوقت مشاورت صحابہ کرام کو اپنے قیاس و اجتہاد کی روشنی میں مشورہ دینے کا پورا حق حاصل تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ ان مشوروں میں سے کسی ایک ہی کو ترجیح دے کر ماسوا کو خطا یا غیر اُولیٰ قرار دے دیا جاتا۔

چناں چہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت فرمایا کہ ان قیدیوں کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ آپ کی قوم و قبیلہ کے لوگ ہیں میری رائے میں انھیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اس سے مسلمانوں کو قوت بھی پہنچے گی اور کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اسلام نصیب کرے۔ حضرت عمرؓ سے دریافت فرمایا کہ تمھاری کیا رائے ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ نہیں! قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں میری وہ رائے نہیں جو ابوبکر کی ہے، یارسول اللہ ﷺ یہ کفر کے سردار اور سرپرست ہیں، میری رائے یہ ہے کہ آپ ان پر ہمیں مقرر فرمائیں، تو علی کو عقیل پر مسلط فرمائیں کہ وہ اس کی گردن ماریں اور مجھے میرے فلاں

☆ کتاب وسنت سے اخذ کردہ احکام، فقہی احکام کہلاتے ہیں ☆

رشتہ دار پر مقرر فرمائیں کہ میں اس کی گردن مار دوں، تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق کا قول پسند فرمایا یعنی فدیہ ہی لینے کی بات طے پائی اور جب فدیہ لیا گیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

ما كان لنبي ان يكون له أسرىٰ حتي يثخن في الارض (الى قوله تعالىٰ) حلالا طيبا. (الانفال:۶۷)

کسی نبی کو لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک زمین میں ان کا خون خوب نہ بہائے۔

یوں ہی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب مسلمان مدینہ طیبہ آئے تو جمع ہوکر نماز کا اندازہ لگالیتے تھے، نمازوں کی اذان نہیں دی جاتی تھی، ایک دن صحابہ کرام نے اس سلسلہ میں مشورہ کیا بعض نے کہا کہ عیسائیوں کے ناقوس کی طرح ناقوس بنالو، بعض نے کہا کہ یہود کے بگل کے مثل بگل بناؤ، تب حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کسی کو نماز کی منادی کرنے کے لیے کیوں نہیں مقرر کررہے ہو؟ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا:

يا بلال قم فناد بالصلوة. (بخاری ج۱ص:۸۵/مسلم، ا ص:۱۶۴)

اس مشاورت میں حضرت عمرؓ نے اپنے اجتہاد سے یہود و نصاریٰ کا طریقہ اعلان اختیار کرنا ناپسند فرمایا اور اعلان نماز کا مشورہ بھی اپنے اجتہاد سے دیا، پھر حضور ﷺ نے اسے پسند بھی فرمایا۔

ب۔ اجتہاد بوقت ضرورت

صحابہ کرام کو کسی سفر میں یا کسی اور جگہ جہاں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما نہ ہوتے فوری اجتہاد کی ضرورت پیش آتی کیوں کہ بعد مسافت اور حکم کی عجلت کی وجہ سے انھیں فوراً دربار رسالت سے مراجعت کا موقع نہ مل پاتا تھا اس لیے صحابہ کرام کو ایسے مواقع پر اجتہاد کی اجازت تھی۔ چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا والی اور قاضی مقرر کرتے وقت ارشاد فرمایا:

كيف تقضي اذا عرض لك قضاء قال اقضي بكتاب الله قال فان لم تجد في كتاب الله قال بسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فان لم تجد في سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم

☆ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

قال اجتهد برائی و لا الو قال فضرب رسول الله صلی الله علیه وسلم بصدری وقال الحمدالله الذی وفق رسول الله لما یرضی به رسول الله تعالی علیه وسلم.

(ترمذی، ص ۱۵۹، باب ماجاء فی القاضی کیف یقضی، ابوداؤد، ص ۱۱۶، باب الاجتهاد)

جب تمھارے پاس کوئی مقدمہ آئے گا تو کس طرح فیصلہ کروگے؟ انھوں نے کہا، کتاب اللہ سے، فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو، عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت سے، فرمایا اگر سنت میں بھی نہ پاؤ تو، عرض کیا کہ اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں غفلت کو دخل نہ دوں گا، معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (بطور تحسین) میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ: اللہ کا شکر ہے کہ جس نے رسول اللہ کے قاصد کو وہ توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے۔

اب ذیل میں بوقت ضرورت صحابہ کرام کے اجتہاد کی چند نظیریں پیش کرتے ہیں۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ غزوۂ احزاب کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی بھی نماز عصر نہ پڑھے مگر قبیلۂ بنی قریظہ میں، تو ابھی راستہ ہی میں تھے کہ وقت عصر ہوگیا ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم بنی قریظہ ہی میں پہنچ کر نماز پڑھیں گے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ نہیں تھی کہ بنی قریظہ سے پہلے اگر وقت آجائے تو بھی نہ پڑھنا، جب یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی گئی تو آپ نے کسی کو بھی ملامت نہ کی۔ (بخاری، ج:۲، ص ۵۹۱، کتاب المغازی)

جن صحابہ کرام نے راستہ میں نماز نہیں پڑھی تھی، ان کا اجتہاد یہ تھا کہ یہاں ''نہی'' حقیقت پر محمول ہے، لہٰذا خروج وقت میں کوئی حرج نہیں اور وقت سے تاخیر کرکے نماز پڑھنے کی جو ''نہی'' وارد ہے وہ ''نہی اوّل'' ہے اور یہ ''نہی ثانی'' ہے اور ''نہی ثانی'' کو ''نہی اوّل'' پر ترجیح ہوتی ہے، گویا یہ نہی ایک مخصوص وقت کے لیے نسخ ہے اور وہ صحابہ کرام جنھوں نے راستہ ہی میں نماز عصر ادا کرلی تھی، ان کا اجتہاد یہ تھا کہ یہاں ''نہی'' حقیقت پر محمول نہیں ہے بلکہ بنی قریظہ کی

جانب تیزی اور سرعت کے ساتھ پیش قدمی کرنے کا اشارہ وکنایہ ہے۔

اس اختلاف پر مطلع ہونے کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی بھی ملامت نہیں فرمائی، یہ اس پر دلیل ہے کہ مجتہد پر کوئی گناہ نہیں، خواہ مصیب ہو یا خاطی، بلکہ ان دونوں اجتہادات میں سے کسی ایک کا انکار نہ فرمانا اس بات کی بھی دلیل ہے کہ مجتہد کو اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرنا واجب ہے، اگرچہ اس کے اجتہاد میں خطا واقع ہو، کیوں کہ قاعدہ کے مطابق اس موقع کے دونوں اجتہادوں میں سے ضرور ایک ہی صواب ہوگا اور دوسرا خطا، مگر چوں کہ یہ حکم مخصوص موقع ہی کے لیے تھا اور وہ موقع باقی نہ رہا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے کسی کی خطائے اجتہاد کا اظہار بھی ضروری نہ سمجھا، لہٰذا یہاں اس سوال کی گنجائش نہیں کہ حضور نے کسی کی خطا کا اظہار کیوں نہ کیا؟

۲۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ’’دو شخص سفر میں گئے، نماز کا وقت آگیا اور ان کے پاس پانی بھی نہ تھا، لہٰذا انھوں نے پاک مٹی سے تیمّم کرکے نماز ادا کرلی پھر وقت ہی میں پانی دستیاب ہوگیا تو ان میں سے ایک نے وضو کرکے نماز کا اعادہ کرلیا اور دوسرے نے اعادہ نہیں کیا، پھر حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر یہ ماجرا ذکر کیا، تو جنھوں نے وضو کرکے اعادہ نہیں کیا، ان سے آپ نے فرمایا ’’**اصبت السنة و اجزا تک صلاتک**‘‘ تونے سنت پالی اور تیری نماز صحیح رہی، اور جن صاحب نے وضو کرکے نماز کا اعادہ کرلیا تھا ان سے فرمایا ’’**لک الا جر مرتین**‘‘ تجھے دوہرا ثواب ہے۔

اس حدیث میں ایک صحابی نے یہ اجتہاد کیا کہ تیمّم کرکے نماز ادا کرلینے کے بعد وقت ہی میں پانی مل جانے پر وضو کرکے اعادہ نہیں ہے، کیوں کہ آیت تیمّم مطلق ہے، اس میں بعد ادائے صلاۃ پانی ملنے یا نہ ملنے کی کوئی شرط نہیں ہے۔

دوسرے صحابی کو یہ شبہ ہوا کہ ’’تیمّم کا جواز پانی نہ ملنے کی صورت میں ہے‘‘ گو اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ پورے وقت میں پانی ملنا متعذر ہونے کی صورت میں تیمّم ہے، اس لیے تقاضائے احتیاط یہی ہے کہ نماز کا اعادہ کرلیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے اوّل کی تصویب کے ساتھ دوسرے کو بھی سراہا، اس سے یہ معلوم ہوا

امام محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں: فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان امام محمد بن حسن کا ہے

کہ مجتہد کو جب دلیل سے واضح نتیجہ نہ ملے احتیاطی پہلو پر عمل کرے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ''مجتہد کو اگر دوہرا کام کرنا پڑے تو دوہرے اجر کا اس وجہ سے مستحق ہوا کہ اس نے دونوں عمل ایک ہی نیت سے کیے تھے''**لکل امرئ مانوی**''

۳۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا ''میں حالت جنابت میں پانی نہ پاؤں تو کیا کروں؟ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ امیرالمومنین! کیا آپ کو یاد نہیں؟ کہ ہم اور آپ سفر میں تھے (اور ہم دونوں کو جنابت لاحق ہوئی) آپ نے نماز نہیں پڑھی اور میں نے مٹی میں خوب لوٹ لگائی پھر نماز ادا کرلی، میں نے حضور ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا ''**انما کان یکفیک ھکذا فضَرَبَ النبی ﷺ بکفیه الارض ونفخ فیھما ثم مسح بھما وجھه فکفیه**'' تم کو اس طرح کافی تھا، پھر حضور نے اپنے دونوں مبارک ہاتھ زمین پر مارے اور ان پر پھونک ماری پھر انھیں منہ اور ہاتھ پر پھیرلیا۔ (بخاری ج:۱،ص۴۸، مسلم ج:۱،ص۱۶۱، ابوداؤد ج:۱،ص۵۳، طحاوی ج:۱،ص۶۷)

اس حدیث سے واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین قیاس واجتہاد کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس گمان پر توقف کیا کہ تیمّم صرف وضو کا نائب ہے، جنابت کے لیے جائز نہیں اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے قیاس فرمایا کہ وضو کے بدلے میں وضو ہی کی ہیئت پر تیمّم کا حکم ہے تو غسل کے بدلے میں غسل ہی کی ہیئت پر تیمّم ہوگا۔

لہٰذا اس بنیاد پر پورے جسم پر خاک مل لی۔ لیکن سرکار نے اس پر سرزنش نہیں فرمائی۔ جس سے واضح وظاہر ہے کہ مجتہد کا اجتہاد اگر صواب و درست نہ ہو، اسے ملامت نہ کی جائے گی اور اس اجتہاد پر عمل کرنے سے اعادہ بھی لازم نہیں۔

(فتح الباری ج:۱،ص۳۴۳، اشعۃ اللمعات ج:۱،ص۲۶۳)

حدیث مذکور کی شرح میں امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں ''**ویستفاد من ھذا الحدیث وقوع اجتھاد الصحابة فی زمن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم**'' اس حدیث سے

یہ مستفاد ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بھی صحابہ کرام کا اجتہاد واقع ہے۔
(فتح الباری ج:۱، ص۳۰۳)

(ج) نصوص احکام کی تاویل

اجتہاد کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

الاجتهاد بذل الطاقة من الفقيه في تحصيل حكم شرعي ظني.

(مسلم الثبوت مع فواتح الرحموت، ص۶۰۳)

یعنی حکم شرعی ظنی کی تحصیل میں فقیہ کا پوری کوشش کرنا اجتہاد ہے۔

اس تعریف سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ احکام شرعیہ کے تعلق سے بعض نصوص قرآنیہ کی تاویل وتخصیص بھی اجتہاد ہی میں داخل ہے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ عہد رسالت میں صحابہ کرام سے اس طرح کے اجتہادات وقوع پذیر ہوئے ہیں یا نہیں؟

حالاں کہ انھیں تفصیل و تاویل دریافت کرنے کے مواقع میسر تھے پھر بھی ان کے یہاں نصوص کی تاویلات کی مثالیں نظر آتی ہیں، اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انھیں کثرت سوال سے روک دیا گیا تھا، چناں چہ ارشاد ربانی ہے:

یایها الذین آمنو الاتسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم تسؤکم.

اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھو جوتم پر ظاہر کی جائیں تو تمھیں بری لگیں۔

لہٰذا یہ حضرات وقت ضرورت تاویل وتخصیص وغیرہ میں اجتہاد کا عمل جاری رکھتے تھے، اور اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اجتہادی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں انھیں ملکہ حاصل ہوجائے اور اس کام میں ان کی مکمل تربیت بھی ہوجائے۔ کیوں کہ بعض تاویلات کی تصویب بارگاہ رسالت سے ہوجاتی اور بعض کی خطا ظاہر کردی جاتی اور بعض کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا جو تصویب ہی کے زمرے میں آتی ہے۔

یہاں ذیل میں اب ہم صحابہ کرام سے احکام شرعیہ سے متعلق تاویل نصوص کی چند

مثالیں پیش کرتے ہیں، ان مثالوں سے یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ نصوص قرآنیہ میں صحابہ کرام کی اجتہادی تاویلات میں سے کس کو بارگاہ رسالت سے تصویب ملی اور کس کو خطا قرار دیا گیا۔

۱۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''غزوہ ذات سلاسل کی ایک سرد رات میں مجھے احتلام ہوگیا، مجھے خوف ہوا کہ کہیں غسل کرنے سے ہلاک نہ ہوجاؤں، لہٰذا تیمّم کرکے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھادی۔ لوگوں نے حضور ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا۔

آپ نے فرمایا، اے عمرو! تم نے جنابت کی حالت میں اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھادی؟ میں نے غسل نہ کرنے کا سبب بیان کیا اور عرض پرداز ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی میں نے سنا ہے:

ولا تقتلو انفسکم ان اللّٰہ کان بکم رحیما. (۴/۲۹)

اپنی جانوں کو ہلاک مت کرو بے شک اللہ تم پر مہربان ہے۔

تو حضور اکرم ﷺ نے ضحک فرمایا اور کچھ کہا نہیں (ابوداؤد:۱،ص۵۶)

یعنی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے آیت کریمہ ''**ولاتقتلوا انفسکم**'' کو عموم اطلاق پر جاری رکھ کر تیمّم کا جواز اخذ کیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس استنباط و اجتہاد کو رد نہ فرمایا بلکہ تبسم فرمایا اور یہ استنباط و اجتہاد کے صحت کی تائید وتصویب ہے۔

اس حدیث سے بالکل واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں اجتہاد جائز تھا جیسا کہ اس حدیث کی شرح میں امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: ''**وفیه جواز الاجتهاد فی زمن النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم**'' اور حدیث دلالت کرتی ہے کہ نبی ﷺ کے زمانے میں اجتہاد جائز تھا۔

۲۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں گئے، تو ہم میں سے ایک شخص کو پتھر لگنے سے سر میں زخم ہوگیا، پھر اس کو احتلام ہوگیا تو اس نے ساتھیوں سے دریافت کیا کہ کیا تم میرے لیے تیمّم کی اجازت پاتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا، تمھارے لیے تیمم کی اجازت نہیں پاتے، تم پانی پر قادر ہو۔ لہٰذا انھوں نے غسل کیا، جس کی وجہ سے ان کی وفات ہوگئی۔

جب ہم حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو اس واقعہ کی خبر دی گئی۔ آپ نے فرمایا:

قتلوه قتلهم الله الاسئلو اذا لم يعلموا فان شفاء العى السوال انما كان يكفيه ان يتيمم و يعصب على جرحه خرقة ثم يمسح عليها وغسل سائر جسده.

انھیں خدا غارت کرے، اسے انھوں نے مار دیا، جب جانتے نہ تھے تو پوچھ کیوں نہ لیا، کیوں کہ بے علمی کا علاج پوچھ لینا ہی ہے، اسے تیمّم کافی تھا اور اپنے زخم پر کپڑا لپیٹ کر اس پر ہاتھ پھیر لیتا او. باقی جسم دھوڈالتا۔

(ابوداؤد ج:۱،ص۵۶)

جن لوگوں نے زخمی صحابی کو غسل کا حکم دیا تھا انھوں نے آیت کریمہ:

فلم تجدو اماء فتيمموا صعيدا طيبا.

تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمّم کرو۔

کا مطلب اپنے اجتہاد سے یہ اخذ کیا کہ آیت کے ظاہر الفاظ کا معنی یہ ہے کہ جواز تیمّم کے لیے پانی کا نہ ملنا شرط ہے اور جب تک پانی موجود ہے تو انھیں تیمّم کی اجازت نہیں مل سکتی۔ اس اجتہاد کا حاصل یہ ہے کہ ''**لم تجدو اماء**'' کا یہی معنی لے کر زخمی صحابی کو غسل کا حکم دیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس تاویل کو رد فرمادیا کہ پانی نہ ہونے ہی کے ساتھ تیمّم کا جواز خاص نہیں بلکہ اگر پانی موجود ہو مگر استعمال میں ہلاکت یا مرض کا پورا خطرہ بھی ہے تو بھی تیمّم جائز ہے۔

یعنی **لم تجدو اماء** سے لغوی معنی مراد نہیں ہے پانی پر قدرت نہ ہونا مراد ہے خواہ اس کی وجہ یہ ہو کہ پانی مفقود ہے یا یہ کہ پانی کے استعمال سے شدت مرض یا ہلاکت کا خطرہ ہے۔ چناں چہ حضرت عمرو بن عاص نے بھی یہی سمجھا تھا اور حضور نے اپنے تیمّم سے اس کی تائید بھی فرمادی تھی۔ صحابہ کرام سے اس قسم کے اجتہادات کی مثالیں حدیث کی کتابوں کو تلاش کرنے کے بعد وافر مقدار میں جمع کی جاسکتی ہیں۔

صحابہ کی اجتہادی تربیت کے ضمن میں خود رسول اللہ ﷺ کی وہ احادیث بھی پیش کی جاسکتی ہیں جن میں احکام شرع کا بیان اجتہاد کے انداز میں کیا گیا ہے اس سلسلہ میں دو حدیثیں بطور ثبوت ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی مگر وہ حج نہ کرسکی اور اس کا انتقال ہوگیا تو کیا میں اس کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ تو سرکار نے فرمایا:

حجی عنها أرأيت لو كان على امك دين اكنت قاضية اقضوا الله فالله احق بالوفاء.

اس کی جانب سے حج کرو بتاؤ کہ اگر تمھاری ماں پر کوئی قرض ہوتا تو کیا تم اسے ادا نہ کرتیں؟ تو اللہ کا فریضہ ادا کرو کہ (اوروں سے) ادائیگی میں اللہ کا حق ظاہر ہے۔ (بخاری شریف، ج:۱،ص۲۵۰)

حج بدل کی ادائیگی واجب ہونے پر رسول اللہ ﷺ نے دَین کو بطور نظیر ذکر فرمایا کہ جو کام اپنے ذمہ آئے اس کی ادائیگی لازم ہوتی ہے جیسے لوگوں کا قرض تو اللہ کا جو قرض بندے پر ہے اس کی ادائیگی اور زیادہ اہم ہے۔

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے نشاط میں روزہ کی حالت میں بوسہ لے لیا پھر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضری دی اور عرض کیا کہ آج مجھ سے ایک بہت بڑی بات ہوگئی ہے کہ روزہ کی حالت میں میں نے بوسہ لے لیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أرأيت لو تمضمضت بماء وانت صائم فقلت لا بأس بذالک فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فقيم.

تم بتاؤ کہ اگر روزہ کی حالت میں پانی سے کلی کرلیتے تو کیا ہوتا میں نے عرض کیا اس میں کوئی حرج نہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو اس میں

کیوں (حرج ہوگا) (طحاوی کتاب الصوم ج:۱، ص۳۴۴)

بوسہ کے مفسد صوم نہ ہونے پر پانی سے کلی کرنے کو بطور نظیر پیش فرمایا کہ جس طرح پانی سے کلی کرنا روزہ کے فساد کا سبب نہیں ہے اسی طرح منہ سے بوسہ لے لینا بھی مفسد صوم نہیں علت مشترکہ یہ ہے کہ دونوں میں منافی صوم (کھانا پینا اور جماع) کا معنی نہ پایا گیا۔

کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ بیان نظائر کے ساتھ ساتھ احکام کا ذکر اسی لیے فرماتے تھے کہ با صلاحیت صحابہ کو نظائر وعلل کے ذریعہ اجتہاد کرنے کا طریقہ ہاتھ آجائے، بارگاہِ رسالت کی کامیاب ترین تربیت سے فیض یاب ہونے والے صحابہ کرام نے عہد رسالت کے بعد تمام نئے پیدا ہونے والے مسائل میں بے انکارنکیر اجتہاد و قیاس سے کام لیا اور اپنے تلامذہ و اصحاب کو باضابطہ اجتہاد کی تربیت بھی دی جس کا سلسلہ فقہ کی تدوین وتہذیب، تفصیل وتبویب اور اصول استنباط کے تعین تک پہنچا اور احکام شرع کے اصول وفروع کا عظیم ترین خزانہ اجتہاد ہی کی بدولت پردۂ غیب سے منصۂ شہود پر آیا۔

اگر رسول اللہ ﷺ کے عہد مقدس میں اجتہاد کی تربیت نہ دی گئی ہوتی تو اجتہاد کی شرعی راہیں متعین کرنا تقریباً متعذر ہوتا۔ بالفاظ دیگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عہد رسالت میں صحابہ کا اجتہاد کرنا اجتہاد کے دلیل شرعی ہونے کا علمی ثبوت بھی ہے اور بعد والوں کے لیے اجتہاد کے قواعد و شرائط کی قیمتی دستاویز بھی ہے۔

عالم کی فضیلت

فضل العالمِ على العابد كفضلِ القمرِ على سائرِ الكواكب

(سنن ابو داود و ترمذی)

ایک عالم کوایک عابد پرایسی فضیلت حاصل ہے

جیسی کہ چاند کو دوسرے تمام ستاروں پر (حدث شریف)

☆امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆